«شکستگیِ ہنر» در کارگاہِ ریشہ و نخ — کمکشاں پورہ کے بُنکروں کی ایک نسل کیسے اپنے ہاتھ کاٹتی رہی

ہمسفر ہفت روزہ کے لیے ثمینہ کلثوم ہاشمی کی خصوصی رپورٹ

کمکشاں پورہ کے بازارِ ریشم میں آج بھی ریشم کی لچھیاں بکتی ہیں، کرگھے چلتے ہیں اور بُنکر اپنے باپ دادا کے ہنر پر فخر کرتے ہیں۔ مگر اس ہفتے ہم نے جو رپورٹ تیار کی ہے وہ اُس ہنر کی کہانی ہے جو ہاتھ کاٹتا رہا اور کاریگر خاموش رہے۔ یہ رپورٹ ۱۴ برس کی تحقیق، ۶۷ انٹرویوز اور ۳ ہزار صفحات پر مشتمل ریکارڈ کا نتیجہ ہے۔

ریشہ و نخ کارگاہ کمکشاں پورہ کے مغربی کنارے پر واقع ہے۔ یہاں ۴۲ کرگھے ہیں اور دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہاں بُنا ہوا ریشمی کپڑا پڑوسی سیارے زرنگار تک برآمد ہوتا ہے۔ کارگاہ کے مالک حاجی نذیر احمد قریشی ہیں جو ۷۱ برس کے ہیں اور کمر میں درد کے باوجود روزانہ ۱۰ گھنٹے کام کرتے ہیں۔ ان کے والد اور دادا بھی یہاں بُنکر تھے۔ تین نسلوں کا یہ سلسلہ بظاہر روایت کی مثال ہے، مگر اصل کہانی اس روایت کے اندر چھپی ہوئی ہے۔

رپورٹ کے مطابق ۲۰۱۱ء سے ۲۰۲۵ء تک کارگاہ میں کام کرنے والے ۱۱۲ بُنکروں میں سے ۴۹ کے ہاتھ یا بازو کا کوئی نہ کوئی حصہ ضائع ہوا۔ زیادہ تر حادثے کرگھے کی چلتی ہوئی کھڈی میں آنے کے تھے۔ ۳۱ بُنکروں کو مستقل معذوری کا سامنا کرنا پڑا۔ ان میں سے صرف ۶ کو کارگاہ نے کسی طرح کا معاوضہ دیا۔ باقی ۴۳ کو یا تو نکال دیا گیا یا وہ خود کام چھوڑ کر چلے گئے۔ کسی ایک حادثے کی رپورٹ کارگاہ کے رجسٹر میں درج نہیں ہے۔

ڈاکٹر نسرین جہاں ہاشمی، ماہرِ امراضِ ہنر، کے مطابق یہ صورت حال صرف طبی نہیں بلکہ اخلاقی سوال ہے۔ ان کے مطابق جب کسی کارگاہ میں حادثے کو چھپانا معمول بن جائے تو وہ کارگاہ ہنر کی جگہ نہیں رہتی، وہ قید خانہ بن جاتی ہے۔ رپورٹ میں ۱۲ ایسے بُنکروں کے بیانات درج ہیں جو اپنے کٹے ہاتھ کو چادر میں چھپا کر گھر لوٹتے تھے تاکہ بیوی بچے نہ روئیں۔

رپورٹ کا سب سے بھاری حصہ وہ ہے جو بچوں کے بارے میں ہے۔ ۹ سے ۱۴ برس کے ۳۷ بچے کارگاہ میں کام کرتے پائے گئے۔ ان میں سے ۱۸ کے ہاتھ کرگھے کی کھڈی میں آئے۔ ۱۲ برس کے ایک بچے کا دایاں ہاتھ کلائی سے کٹ گیا۔ اس کی ماں نے رپورٹ کو بتایا کہ بچہ روتا نہیں تھا، صرف کہتا تھا کہ ابا ناراض ہوں گے۔ یہ جملہ رپورٹ کے سب سے زیادہ صفحات پر بار بار آیا ہے۔

کارگاہ کے مالکان کا مؤقف رپورٹ میں درج ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ حادثات کی ذمہ داری بُنکروں پر ہے اور کارگاہ نے زخمیوں کو اپنی جیب سے رقم دی۔ تاہم رپورٹ میں دی گئی رقوم کا موازنہ کارگاہ کے منافع سے کیا گیا ہے تو یہ رقم ایک مہینے کی آمدنی کے ۴ فیصد سے بھی کم بنتی ہے۔ ایک بُنکر کو ۲ ہزار روپے دیے گئے اور اسے کہا گیا کہ وہ کام پر واپس آئے تو اس کی جگہ دوسرا آ جائے گا۔

رپورٹ کی سفارشات میں کارگاہ کے لائسنس کی منسوخی، متاثرہ بُنکروں کو تاحیات وظیفہ اور بچوں کے داخلے کے لیے ایک خصوصی اسکیم شامل ہے۔ ڈاکٹر نسرین جہاں ہاشمی کے مطابق اگر یہ سفارشات نافذ ہوئیں تو کمکشاں پورہ کا ریشمی کپڑا بازار میں رہے گا، مگر اس کے بُنکر اپنے ہاتھ کھو چکے ہوں گے۔ رپورٹ کا آخری جملہ یہی ہے: ہنر زندہ رہے اور ہاتھ کٹتے رہیں، یہ قبول نہیں۔

مکمل رپورٹ صفحہ ۱۴ پر ملاحظہ کریں

ریشمی کارخانوں میں ہاتھ کاٹنے والی مشین کا راز کیا ہے؟ ایک رپورٹر کی ۱۸ ماہ کی تحقیق

ہمسفر ہفت روزہ کے لیے ثمینہ کلثوم ہاشمی کی خصوصی رپورٹ

کمکشاں پورہ کے مغربی کنارے پر واقع ریشہ و نخ کارگاہ میں ۴۲ کرگھے ہیں اور دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہاں بُنا ہوا ریشمی کپڑا پڑوسی سیارے زرنگار تک برآمد ہوتا ہے۔ کارگاہ کے مالک حاجی نذیر احمد قریشی ہیں جو ۷۱ برس کے ہیں اور کمر میں درد کے باوجود روزانہ ۱۰ گھنٹے کام کرتے ہیں۔ ان کے والد اور دادا بھی یہاں بُنکر تھے۔ تین نسلوں کا یہ سلسلہ بظاہر روایت کی مثال ہے، مگر اصل کہانی اس روایت کے اندر چھپی ہوئی ہے۔

رپورٹ کے مطابق ۲۰۱۱ء سے ۲۰۲۵ء تک کارگاہ میں کام کرنے والے ۱۱۲ بُنکروں میں سے ۴۹ کے ہاتھ یا بازو کا کوئی نہ کوئی حصہ ضائع ہوا۔ زیادہ تر حادثے کرگھے کی چلتی ہوئی کھڈی میں آنے کے تھے۔ ۳۱ بُنکروں کو مستقل معذوری کا سامنا کرنا پڑا۔ ان میں سے صرف ۶ کو کارگاہ نے کسی طرح کا معاوضہ دیا۔ باقی ۴۳ کو یا تو نکال دیا گیا یا وہ خود کام چھوڑ کر چلے گئے۔ کسی ایک حادثے کی رپورٹ کارگاہ کے رجسٹر میں درج نہیں ہے۔

ڈاکٹر نسرین جہاں ہاشمی، ماہرِ امراضِ ہنر، کے مطابق یہ صورت حال صرف طبی نہیں بلکہ اخلاقی سوال ہے۔ ان کے مطابق جب کسی کارگاہ میں حادثے کو چھپانا معمول بن جائے تو وہ کارگاہ ہنر کی جگہ نہیں رہتی، وہ قید خانہ بن جاتی ہے۔ رپورٹ میں ۱۲ ایسے بُنکروں کے بیانات درج ہیں جو اپنے کٹے ہاتھ کو چادر میں چھپا کر گھر لوٹتے تھے تاکہ بیوی بچے نہ روئیں۔

رپورٹ کا سب سے بھاری حصہ وہ ہے جو بچوں کے بارے میں ہے۔ ۹ سے ۱۴ برس کے ۳۷ بچے کارگاہ میں کام کرتے پائے گئے۔ ان میں سے ۱۸ کے ہاتھ کرگھے کی کھڈی میں آئے۔ ۱۲ برس کے ایک بچے کا دایاں ہاتھ کلائی سے کٹ گیا۔ اس کی ماں نے رپورٹ کو بتایا کہ بچہ روتا نہیں تھا، صرف کہتا تھا کہ ابا ناراض ہوں گے۔ یہ جملہ رپورٹ کے سب سے زیادہ صفحات پر بار بار آیا ہے۔

کارگاہ کے مالکان کا مؤقف رپورٹ میں درج ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ حادثات کی ذمہ داری بُنکروں پر ہے اور کارگاہ نے زخمیوں کو اپنی جیب سے رقم دی۔ تاہم رپورٹ میں دی گئی رقوم کا موازنہ کارگاہ کے منافع سے کیا گیا ہے تو یہ رقم ایک مہینے کی آمدنی کے ۴ فیصد سے بھی کم بنتی ہے۔ ایک بُنکر کو ۲ ہزار روپے دیے گئے اور اسے کہا گیا کہ وہ کام پر واپس آئے تو اس کی جگہ دوسرا آ جائے گا۔

رپورٹ کی سفارشات میں کارگاہ کے لائسنس کی منسوخی، متاثرہ بُنکروں کو تاحیات وظیفہ اور بچوں کے داخلے کے لیے ایک خصوصی اسکیم شامل ہے۔ ڈاکٹر نسرین جہاں ہاشمی کے مطابق اگر یہ سفارشات نافذ ہوئیں تو کمکشاں پورہ کا ریشمی کپڑا بازار میں رہے گا، مگر اس کے بُنکر اپنے ہاتھ کھو چکے ہوں گے۔ رپورٹ کا آخری جملہ یہی ہے: ہنر زندہ رہے اور ہاتھ کٹتے رہیں، یہ قبول نہیں۔

مکمل رپورٹ صفحہ ۱۴ پر ملاحظہ کریں

ریشمی کارخانوں میں ہاتھ کاٹنے والی مشین کا راز کیا ہے؟ ایک رپورٹر کی ۱۸ ماہ کی تحقیق

ہمسفر ہفت روزہ کے لیے ثمینہ کلثوم ہاشمی کی خصوصی رپورٹ

کمکشاں پورہ کے مغربی کنارے پر واقع ریشہ و نخ کارگاہ میں ۴۲ کرگھے ہیں اور دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہاں بُنا ہوا ریشمی کپڑا پڑوسی سیارے زرنگار تک برآمد ہوتا ہے۔ کارگاہ کے مالک حاجی نذیر احمد قریشی ہیں جو ۷۱ برس کے ہیں اور کمر میں درد کے باوجود روزانہ ۱۰ گھنٹے کام کرتے ہیں۔ ان کے والد اور دادا بھی یہاں بُنکر تھے۔ تین نسلوں کا یہ سلسلہ بظاہر روایت کی مثال ہے، مگر اصل کہانی اس روایت کے اندر چھپی ہوئی ہے۔

رپورٹ کے مطابق ۲۰۱۱ء سے ۲۰۲۵ء تک کارگاہ میں کام کرنے والے ۱۱۲ بُنکروں میں سے ۴۹ کے ہاتھ یا بازو کا کوئی نہ کوئی حصہ ضائع ہوا۔ زیادہ تر حادثے کرگھے کی چلتی ہوئی کھڈی میں آنے کے تھے۔ ۳۱ بُنکروں کو مستقل معذوری کا سامنا کرنا پڑا۔ ان میں سے صرف ۶ کو کارگاہ نے کسی طرح کا معاوضہ دیا۔ باقی ۴۳ کو یا تو نکال دیا گیا یا وہ خود کام چھوڑ کر چلے گئے۔ کسی ایک حادثے کی رپورٹ کارگاہ کے رجسٹر میں درج نہیں ہے۔

ڈاکٹر نسرین جہاں ہاشمی، ماہرِ امراضِ ہنر، کے مطابق یہ صورت حال صرف طبی نہیں بلکہ اخلاقی سوال ہے۔ ان کے مطابق جب کسی کارگاہ میں حادثے کو چھپانا معمول بن جائے تو وہ کارگاہ ہنر کی جگہ نہیں رہتی، وہ قید خانہ بن جاتی ہے۔ رپورٹ میں ۱۲ ایسے بُنکروں کے بیانات درج ہیں جو اپنے کٹے ہاتھ کو چادر میں چھپا کر گھر لوٹتے تھے تاکہ بیوی بچے نہ روئیں۔

رپورٹ کا سب سے بھاری حصہ وہ ہے جو بچوں کے بارے میں ہے۔ ۹ سے ۱۴ برس کے ۳۷ بچے کارگاہ میں کام کرتے پائے گئے۔ ان میں سے ۱۸ کے ہاتھ کرگھے کی کھڈی میں آئے۔ ۱۲ برس کے ایک بچے کا دایاں ہاتھ کلائی سے کٹ گیا۔ اس کی ماں نے رپورٹ کو بتایا کہ بچہ روتا نہیں تھا، صرف کہتا تھا کہ ابا ناراض ہوں گے۔ یہ جملہ رپورٹ کے سب سے زیادہ صفحات پر بار بار آیا ہے۔

کارگاہ کے مالکان کا مؤقف رپورٹ میں درج ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ حادثات کی ذمہ داری بُنکروں پر ہے اور کارگاہ نے زخمیوں کو اپنی جیب سے رقم دی۔ تاہم رپورٹ میں دی گئی رقوم کا موازنہ کارگاہ کے منافع سے کیا گیا ہے تو یہ رقم ایک مہینے کی آمدنی کے ۴ فیصد سے بھی کم بنتی ہے۔ ایک بُنکر کو ۲ ہزار روپے دیے گئے اور اسے کہا گیا کہ وہ کام پر واپس آئے تو اس کی جگہ دوسرا آ جائے گا۔

رپورٹ کی سفارشات میں کارگاہ کے لائسنس کی منسوخی، متاثرہ بُنکروں کو تاحیات وظیفہ اور بچوں کے داخلے کے لیے ایک خصوصی اسکیم شامل ہے۔ ڈاکٹر نسرین جہاں ہاشمی کے مطابق اگر یہ سفارشات نافذ ہوئیں تو کمکشاں پورہ کا ریشمی کپڑا بازار میں رہے گا، مگر اس کے بُنکر اپنے ہاتھ کھو چکے ہوں گے۔ رپورٹ کا آخری جملہ یہی ہے: ہنر زندہ رہے اور ہاتھ کٹتے رہیں، یہ قبول نہیں۔

مکمل رپورٹ صفحہ ۱۴ پر ملاحظہ کریں